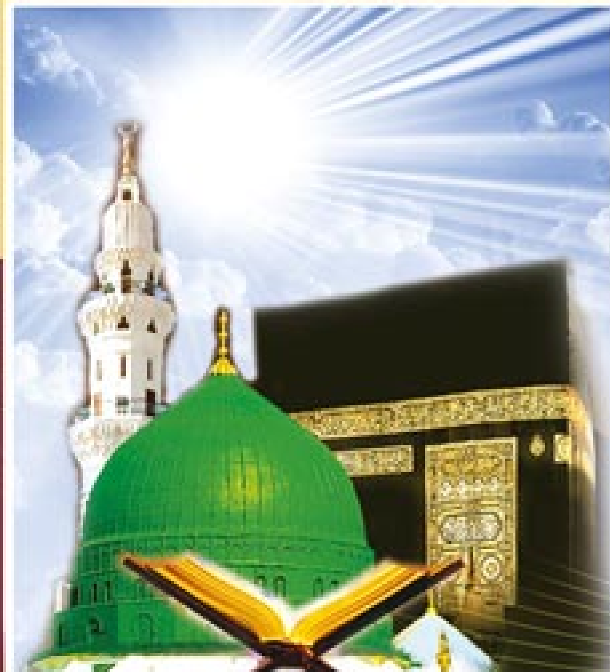
منجیات و مہلکات

یعنی وہ امور، جو نجات دینے والے اور ہلاک کرنیوالے ہیں





شیخ المشائخ عارف باللہ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ : گلشن اقبال کراچی

منجیات و مہلکات

یعنی وہ امور جو نجات دینے والے اور ہلاک کرنیوالے ہیں

شیخ المشائخ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

ضروری تفصیل

وعظ : منجیات ومہلکات

واعظ : شیخ المشایخ محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد افضال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

زیرِاہتمام : شعبہ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182رابطہ:+92.21.34972080،+92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین ومحبین سے گزارش

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی سے شایع ہونے والی شیخ المشایخ محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں اور مواعظ کی پروف ریڈنگ اور طباعت معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشرواشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین فن دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) حکیم محمد اسماعیل

نبیرہ وخلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

عرضِ مرتب

بِاسْمِهٖ تَعَالٰی

حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا، اَمَّا بَعْدُ

زندگی میں نفع، نقصان کا ہونا یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے بلکہ انسان کو اپنی کوششوں اور جدوجہد میں ان ہی دو صورتوں میں سے کسی ایک سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے کہ کبھی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تو کبھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک مؤمن کے لیے اصل کامیابی وناکامی کا معیار کیا ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں کہ اس کے موافق فیصلہ کیا جاسکے کہ کون کامیاب ہے اور کون نہیں؟

اسی حقیقت کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنی زبانِ نبوت سے بڑے لطیف انداز سے ارشاد فرمایا جس کی تشریح وتوضیح محی السنۃ حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ایک وعظ میں فرمائی ہے اس کو مجلس ''منجیات ومہلکات'' کے نام سے حضرتِ والا مدظلہٗ کی نظر ثانی واجازت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔

حق تعالیٰ امّتِ مسلمہ کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

والسلام

محمّد افضال الرحمٰن۔ اشرف المدارس، ہردوئی

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

منجیات و مہلکات

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ اَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: فَتَقْوَى اللهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسُّخْطِ وَ الْقَصْدُ فِی الْغِنٰى وَالْفَقْرِ - اَمَّا الْمُهْلِكَاتُ: فَهَوًى مُّتَّبَعٌ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِیَ اَشَدُّهُنَّ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں، اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، بہر حال منجیات یہ ہیں۔ اللہ سے ڈرنا تنہائی اور مجمع میں، حق بات کہنا خوشی اور ناخوشی میں، میانہ روی اختیار کرنا مالداری اور غربت میں۔ بہر حال مہلکات یہ ہیں: نفسانی خواہش کہ جس کے پیچھے لگا رہے، بخل جس کے تقاضوں پر چلتا رہے، اور آدمی کا اپنے آپ کو پسند کرنا اور یہ ان سب میں سب سے زیادہ سخت ہے۔

اس وقت ایک حدیثِ پاک پڑھی ہے جس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں منجیات ہیں، اور تین چیزیں مہلکات ہیں۔ منجیات کے کیا معنیٰ؟ نجات دینے والی۔ جو شخص ان تین چیزوں کا اہتمام کرے گا تو اس کو نجات کامل حاصل ہو گی۔ ایسے ہی مہلکات یعنی ہلاک و برباد کرنے والی چیزیں بھی ہیں۔ جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی تو وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا، اور ان تینوں کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ انسان کے خسران اور اس کی تباہی و بربادی کے لیے ان میں سے کسی ایک چیز کا ہونا بھی کافی ہے۔ تو نجات دینے والی چیزیں بھی تین ہیں اور ہلاک کرنے والی جو چیزیں ہیں وہ بھی تین ہیں۔

---

[1] شعب الایمان للبیهقی: ۳۹۶/۹ (۶۸۶۵)، مکتبة الرشد

جو گناہوں سے بچیں ہیں متقی

نجات دینے والی چیزوں میں سے پہلی چیز: فَتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ اللہ کاڈر اور خوف ہو تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی۔

خوف وڈر کا حاصل کیا ہے؟ انسان گناہ نہ کرے، ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی ہمت نہ ہو سکے، مجمع میں غلطی نہ کر سکے اور تنہائی میں بھی کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے۔ تقویٰ کے دو معنیٰ ہیں: ایک ہے بچنا اور احتیاط کرنا، اور ایک ہے ڈرنا۔ اصل مقصود تو گناہوں سے بچنا ہے اور اس سے پرہیز کرنا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ دل میں خوف ہو اور ڈر ہو۔ بغیر اس کے انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا، تو گناہ سے بچنا یہ تو مقصد کے درجے میں ہوا اور ڈر اور خوف یہ سبب کے درجے میں ہوا کہ جس کی وجہ سے انسان کفر و شرک اور حرام اور گناہ سے بچ جاتا ہے، اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ مجمع میں تو گناہوں سے بچتا ہے مگر تنہائی میں گناہ سرزد ہو جاتا ہے جہاں کوئی اور دیکھنے والا نہیں، مان لو کہیں بس میں تھے، کہیں ریل میں تھے، کہیں مہمان خانہ میں ٹھہرے تھے وہاں ایک شخص بے چارہ کوئی چیز بھول گیا کچھ روپیہ پیسہ، دو چار سو پانچ سو ہزار جو بھی تھا، اور ہمیں معلوم ہے کہ اسی کا ہے، اب وہ چلا گیا، تو ہم نے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا تو کہا جائے گا کہ اس کو تقویٰ تنہائی میں نہیں ہے اس کو تقویٰ حاصل نہیں ہے، کہیں ایسے موقع پر پڑ گئے کہ کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہے اب وہاں جماعت ترک کر دی بغیر عذر کے تو کہا جائے گا کہ اس میں کمی و کوتاہی ہے، تقویٰ کی بات یہ ہے کہ گناہوں سے بچے، اور اعمالِ صالحہ کو بھی ترک نہ کرے، حمدِ باری میں بیان کیا گیا ہے کہ متقی کسے کہتے ہیں۔

جو خدا کے دوست ہیں وہ ہیں ولی
جو گناہوں سے بچیں ہیں متقی

یہ تقویٰ کا حاصل ہے

ہر قسم کے گناہوں سے بچے، چھوٹے گناہ ہوں یا بڑے گناہ ہوں۔ تنہائی میں بھی اور مجمع میں بھی دونوں حالتوں میں اس سے پرہیز کرے، اپنے ایک ایک اعضا کی نگرانی رکھے۔

زبان سے کسی کی غیبت نہ کرے، کسی کو گالی نہ دے، جھوٹ نہ بولے، آنکھ سے بد نگاہی نہ کرے، ٹیلی ویژن اور سینما، ویڈیو نہ دیکھے، گندی تصویریں اور ناول وافسانے نہ پڑھے، ہاتھ سے کسی کو بلاوجہ مارے پیٹے نہیں، کسی کو ستائے نہیں، کسی کی چیز بلا پوچھے اٹھائے نہیں، چوری وغیرہ نہ کرے۔ کان سے گانا باجا نہ سنے، غیبت وغیرہ نہ سنے، اسی طرح جسم کے اور جو اعضا ہیں انہیں گناہوں سے بچائے۔ تنہائی میں بھی اور لوگوں کے سامنے بھی، یہ تقویٰ حاصل ہے، گاہ بگاہ گناہ ہو جائے تو یہ تقویٰ کے خلاف نہیں، بس گناہ کی عادت نہ ہو، اگر گناہ ہو جائے تو فوراً تلافی کرے، اور توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرے، نفس کو چاہے کتنی ہی گرانی کیوں نہ ہو۔ غلطی ہو جائے وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر توبہ کرے، ایسا کرنے سے جو میل کچیل گناہ کی وجہ سے ہو گیا تھا وہ صاف ہو جائے گا۔ تو اللہ کا خوف قلب میں اس طرح سے جگہ لے لے کہ کوئی گناہ نہ ہو سکے، یہ نجات دینے والی پہلی چیز ہے۔

یہ مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے

دوسری چیز: وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ حق بات کہے خوشی کے حال میں فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ اور غصہ کے حال میں۔ ایک شخص سے میل جول ہے دوستی و تعلق ہے، اب کوئی معاملہ آگیا اور اس میں ضرورت پڑی گواہی دینے کی تو ٹھیک ہے ہم اس کے لیے تیار ہیں اور جب اس سے ناراضگی ہو گئی خفگی ہو گئی، دشمنی ہو گئی، ایسے وقت میں کوئی معاملہ آگیا اس میں ضرورت پڑ گئی گواہی دینے کی تو کہا جائے کہ بھائی فلاں معاملہ ہے اس میں گواہی دینا ہے، اب ہم گواہی دینے نہ جائیں۔ یا حق بات نہ کہیں، حق فیصلہ نہ کریں، یہ بات نہیں ہونا چاہیے۔ حق بات کہے غصے میں بھی اور ناراضگی میں بھی، یہ مسلمان کی شان ہے اور اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ [۲]

---

[۲] المآئدۃ:۸

اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جاوے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

کسی بات پر غصہ آگیا، اپنے نفس کا معاملہ آگیا تو اب یہ نہیں کہ غلط بات کرنا شروع کردے بلکہ جو بات صحیح ہو اور حق ہو وہ کہے دوستی میں بھی اور دشمنی میں بھی، یہ نہیں کہ دوستی میں تو حق بات کہے اور دشمنی میں غلط بات کہے یہ مؤمن کی شان نہیں ہے، معاملہ جو صحیح ہو اور حق ہو وہ کرے خواہ کسی کا نقصان ہو یا کسی کا فائدہ ہو، فرمایا گیا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ [۳]

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو، اگرچہ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو، وہ شخص اگر امیر ہے تو، اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سو تم خواہشِ نفس کا اتباع مت کرنا، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کروگے یا پہلو تہی کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

غصہ میں بے قابو ہو جانا بُرا ہے

اب یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ غصہ کا آنا یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، غصے کی بات پر غصہ نہ آئے یہ عیب کی بات ہے، غصے کی بات پر غصہ آنا چاہیے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی کبھی غصہ آیا کرتا تھا۔ آپ کے غصہ ہونے کی حالت میں جو کیفیت ہوتی تھی اس کو حدیثِ پاک میں بیان کیا گیا کہ

۳؎ النسآء:۱۳۵

كَاَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ[۴]

گویا کہ نچوڑ دیا گیا ہے انار کو دونوں رخسار پر۔

آپ کا چہرۂ مبارک غصے میں ایسا سرخ ہو جاتا تھا گویا کہ چہرے پر انار کو نچوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غصہ کا آنا کوئی نامناسب بات ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہ آیا کرتا۔ پھر قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے خاص بندوں کی جو تعریف کی ہے اس میں یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے بندوں کو غصہ آتا ہی نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ہمارے نیک بندوں کی پہچان یہ ہے کہ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ[۵]

اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں۔

جو غصہ کو پی جاتے ہیں، غصہ آیا مگر اس کو ضبط کر لیا، اس سے معلوم ہو گیا کہ غصہ آنا یہ عیب کی بات نہیں، غصہ کی بات پر غصہ آنا ہی چاہیے، ایسے موقع پر غصہ جس کو نہیں آتا وہ بے حس ہے، البتہ غصہ میں بے قابو ہو جانا، جذبات سے مغلوب ہو جانا یہ مناسب نہیں ہے، غصہ میں یہ حالت نہ ہو کہ نامناسب کلمات نکلنے لگیں۔ غصہ پر قابو حاصل کیا جائے۔ اپنے نفس کو ایسے موقع پر قابو میں رکھا جائے یہ انسان کا کمال اور اس کی بہادری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ[۶]

پہلوان کُشتی میں پچھاڑنے سے نہیں ہوتا، پہلوان صرف وہی ہے جو اپنے آپ کو غصہ کے وقت قابو میں رکھے۔

بہادر وہ شخص نہیں جو کسی پہلوان کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقی بہادر کہلانے کا مستحق تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ تو حاصل یہ ہے کہ صحیح اور سچی بات کہے ہر حال میں، خوشی میں بھی اور غصہ میں بھی، یہ نجات دینے والی دوسری چیز ہے۔

---

۴ جامع الترمذی: ۳۴/۲، باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر، ایچ ایم سعید

۵ اٰل عمرٰن: ۱۳۴

۶ صحیح البخاری: ۹۰۳/۲، (۶۱۴۲)، باب الحذر من الغضب، المکتبۃ المظھریۃ

غربت ومال داری میں میانہ روی اختیار کرے

تیسری چیز:

وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ

اعتدال اختیار کرنا مال داری اور محتاجی کی حالت میں۔

میانہ روی اختیار کرے خوشحالی اور تنگ حالی دونوں میں۔ اعتدال یہ بڑی چیز ہے۔ مال داری اور خوش حالی کی حالت ہو یا غربت اور تنگ دستی کی حالت ہو دونوں موقعوں پر میانہ روی اختیار کرے۔ اعتدال کا سہل طریقہ یہ ہے کہ حقوقِ نفس کو ادا کرے اور حظوظِ نفس میں کمی کرے۔ اور اسراف یہ ہے کہ گناہ میں خرچ کرے یا ایسے جائز مستحب کاموں میں صَرف کرے کہ جو گناہ میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاوے مثلاً لباس زیادہ قیمتی پہننے سے عُجب و تکبر یا ریا میں مبتلا ہو جائے، یا کسی کی دعوت ایسے پیمانے پر کرے کہ قرض یا سودی قرض میں مبتلا ہو جائے، تو اعتدال یہ بڑی چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَحْسَنَ الْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَمَا اَحْسَنَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ[ؔ]

بہت ہی اچھی ہے میانہ روی مال داری کی حالت میں، بہت ہی اچھی ہے میانہ روی محتاجی کی حالت میں۔

اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت اور فراوانی دے رکھی ہے تو فضول خرچی سے احتیاط کرے، یہ نہ کرے کہ خوب اللے تللے خرچ کرے، ادھر ادھر اڑائے۔ شریعت نے ہر چیز کے لیے حدود مقرر کیے ہیں، کیسے کمایا جائے، کیسے خرچ کیا جائے، یہ نہیں کہ انسان جیسے چاہے جس طرح چاہے کمائے، روپیہ پیسہ جمع کرے، جائز وناجائز کسی بھی طریقے سے ہو بلکہ حلال اور پاک کمائی کا حکم دیا گیا ہے، پھر یہ کہ کہاں خرچ کرے اور کیسے خرچ کرے اس کے بھی حدود ہیں، کن موقع پر خرچ کرے اور کن موقع پر خرچ نہ کرے اس کو بتلایا گیا ہے ان کو معلوم کرے اس کے موافق معاملہ کرنے سے اعتدال باقی رہے گا۔ چناں چہ قرآنِ پاک میں مؤمن کی شان بیان کی گئی ہے:

ؔ کنز العمال: ۲۸/۳ (۵۲۹۴)، مؤسسۃ الرسالۃ

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ [۸]

اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

تو میانہ روی یہ بھی کتنی اہم چیز ہے کہ اس کو نجات دینے والی چیزوں میں سے بتلایا گیا ہے۔

نفسانی خواہش کی اتباع یہ مہلک ہے

آگے ارشاد فرمایا کہ جو مہلکات ہیں وہ بھی تین چیزیں ہیں، ان تینوں میں سے ایک چیز بھی ہوگی تو انسان ہلاک وبرباد ہوجائے گا۔ انسان کے خسران اور تباہی کے لیے کسی ایک چیز کا ہونا بھی کافی ہے۔ جو نقصان پہنچانے والی چیزیں ہیں ان سب سے بچنا ضروری ہے۔ ان مہلکات میں سے پہلی چیز آپ نے فرمائی:

فَهَوًى مُّتَّبَعٌ

نفسانی خواہش کہ جس کی اتباع کی جائے۔

کوئی خواہش پیدا ہوئی بس اس کا اتباع کرلیا، وہ خواہش ٹھیک ہے یا نہیں ہے اس کی فکر نہ ہو۔ بُری خواہش کا ہونا یہ بُری بات نہیں ہے، خواہشات تو پیدا ہوتی رہتی ہیں، یہ تو غیر اختیاری چیز ہے، اس پر کوئی ممانعت نہیں ہے، کسی کو گناہ کی خواہش ہوئی تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے، کسی گناہ کی رغبت ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے، اس کو ایک کھلی ہوئی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ روزہ میں پانی پینے کی خواہش ہوتی ہے کہ نہیں؟ ہوتی ہے، کھانے کی خواہش ہوتی ہے کہ نہیں؟ ہوتی ہے، تو کیا اس سے گناہ ہوتا ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ نہیں، روزہ نہیں ٹوٹتا، تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ گناہ کی خواہش پیدا ہو بُری خواہش پیدا ہو تو یہ گناہ نہیں ہے۔ خواہش اگر خواہش کے درجے میں ہو تو یہ مضر نہیں ہے، ہاں مضر کیا چیز ہے؟ گناہ کیا چیز ہے؟ اس بُری اور ناجائز خواہش پر عمل کرنا۔ یہ مضر ہے۔ ویسے کسی کو خواہش پیدا ہوئی کہ فلاں کی چیز بکس سے نکال کر کھالو، کسی کے پیسے چرالو لیکن اس خواہش کو دبالیا، اس پر عمل نہیں کیا تو اس

[۸] الفرقان:۶۷

پر اجر ملے گا، کیوں کہ گناہ سے رک گیا، گناہ سے رکنے میں تو اجر ہے، روزہ کی حالت میں پیاس لگ رہی ہے پانی کی خواہش ہو رہی ہے، اگر پانی پی لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لہٰذا پیاس کو ضبط کرتا ہے پیاس کو دباتا ہے اس پر اجر ملے گا، اسی لیے حدیثِ پاک میں فرمایا کہ مہلکات میں سے بری خواہش کا پیدا ہونا نہیں ہے بلکہ مہلکات میں سے جو چیز ہے **هَوًى مُّتَّبَعٌ** ہے وہ بُری خواہش ناجائز خواہش کہ جس کی اتباع کی جائے، خواہش کے مقتضاء پر عمل کر لیا جائے۔ اگر اس ناجائز خواہش کے مقتضاء پر عمل کر لیا جائے گا تو وہ مہلکات میں سے ہے اور اگر ناجائز خواہش کو دبایا جائے تو پھر وہ مہلکات میں سے نہیں ہے بلکہ اس پر اس کو انعام واجر ملے گا۔

بہشتی نباشد بخلِ خبر

دوسری چیز ارشاد فرمائی:

وَشُحٌّ مُّطَاعٌ

اور بخل جس کے تقاضوں پر چلتا رہے۔

بخل بھی مہلکات میں سے ہے۔ اللہ کے راستے میں جہاں خرچ کرنا ضروری ہے وہاں خرچ نہیں کرتا، زکوٰۃ نہیں نکالتا، صدقۂ فطر نہیں ادا کرتا، قربانی کا زمانہ آگیا قربانی واجب ہے قربانی نہیں کرتا تو اس شخص کو کہا جائے گا کہ اس کے اندر بخل ہے۔ ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے، سوال کرتا ہے، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ ضرورت مند ہے ہم اسے کچھ دے دیں، روپیہ دو روپیہ ہم اسے دے دیں تو ہم کو کوئی خاص تکلیف نہ ہوگی، لیکن ایسی حالت میں ہم اسے نہیں دیتے تو یہ حالت بھی بخل کہلائے گی، بخیل کے لیے حدیث میں آتا ہے کہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَّلَا بَخِيلٌ وَّمَنَّانٌ[۹]

جنت میں داخل نہیں ہوگا فتنہ وفساد کرنے والا اور بخل کرنے والا اور احسان جتلانے والا۔

اتنی خراب اور گندی چیز ہے کہ جس کے قلب میں بخل ہوگا جب تک وہ جہنم کی بھٹی سے صاف نہیں کر دیا جائے گا جنت میں داخل نہیں ہو سکتا یا اللہ تبارک وتعالیٰ رحم فرما کر اپنی

۹ جامع الترمذی: ۲/۱۶، باب ما جاء فی البخیل، ایچ ایم سعید

رحمت سے معاف فرمادیں، اسی کا شیخ سعدی نے ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔

بخیل ار چہ باشد زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بحکمِ خبر

تو بخل بھی مہلکات میں سے ہے، لیکن ہر بخل مہلکات میں سے نہیں ہے، مہلکات میں سے وہ بخل ہے جو مُطَاع ہو، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ شریعت نے جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ نہ کرنا یہ بخل مہلکات میں سے ہے اس کے بر خلاف اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو جی نہیں چاہتا، خرچ کرنے سے دل پر آرا چلتا ہے لیکن جب قربانی کر دیتا ہے، صدقۂ فطر نکالتا ہے، زکوۃ حساب سے نکالتا ہے تو یہ بخل اس کے لیے مضر نہ ہوگا، گرانی کی حالت میں خرچ کر رہا ہے، ناگواری قلب کو ہو رہی ہے ایسی حالت میں خرچ کر رہا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا، زیادہ اجر ملے گا۔

اخلاص کے لیے بشاشت ضروری نہیں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں بشاشت ہوتی ہے جی خوش بھی ہوتا ہے، خوش دلی سے خرچ کرتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خرچ کرنے میں بشاشت کے بجائے تنگی ہوتی ہے گرانی بھی ہوتی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اخلاص کے منافی ہے، اس طرح خرچ کرنے میں خلوص نہیں ہے تو پھر اس پر اجر و ثواب کا کیا سوال؟ تو یہ شبہ در حقیقت اس وجہ سے ہوا کہ اخلاص کے لیے بشاشت کو لازمی سمجھ لیا گیا حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دو چیزیں ہیں: ایک ہے بشاشت، ایک ہے اخلاص۔ اخلاص کا تو حاصل یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنا، اپنی تعریف اور شہرت کے لیے خرچ کرنا یا کسی اور نیت سے کرنا یہ اخلاص کے خلاف ہے، اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کام کرے یہ تو اخلاص ہے، اب ظاہر ہے کہ اس طرح خرچ کرنے میں کبھی خوشی ہوگی، کبھی تنگی ہوگی لیکن اخلاص بہر حال دونوں ہی حالتوں میں رہے گا۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو گرانی کی حالت میں خرچ کرنے سے اجر دوہرا ملے گا۔ ایک تو اخلاص کے ساتھ خرچ کرنے کی بنا پر، دوسرے یہ کہ اس پر گرانی

ومشقت ہو رہی ہے تو اپنے نفس کے تقاضے کو دبا رہا ہے، نفس کی خواہش کو کچل رہا ہے تو اس مجاہدے کا بھی اجر ملے گا۔ تو حاصل یہ کہ اخلاص کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ قلب میں بشاشت ہو، فرحت ہو۔ حاصل یہ کہ مہلکات میں سے وہ بخل ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے۔ جہاں خرچ کرنا ضروری تھا وہاں اپنے بخل کے مقتضا پر عمل کرتا ہے یعنی خرچ نہیں کرتا ہے تو یہ چیز مہلک ہوگی، اگر کسی میں بخل کا مادّہ تو ہے لیکن وہ بخل کے مقتضا پر عمل نہیں کرتا، خرچ کرتا رہتا ہے تو ایسے بخل کو اس کے لیے مضر نہیں کہا جائے گا۔

خود بینی کا انجام

تیسری چیز ارشاد فرمائی:

اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ

آدمی کا اپنے آپ کو پسند کرنا۔

اپنے متعلق بہت نیک گمان رکھنا، اپنی قیمت زیادہ مقرر کرلینا، جسے کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو بننا، اپنے ذہن میں اپنے متعلق یہ خیال قائم کرلینا کہ ہم صاحب بالکل ٹھیک ہیں ہمارے اندر کوئی کمی نہیں، ہماری نماز بالکل ٹھیک ہے، ہمارا روزہ بالکل ٹھیک، ہم جو کام کرتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہے، ہم سے غلطی ہوتی ہی نہیں ہے، ہم کامل و مکمل ہوگئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ بھائی ہو سکتا ہے تم سے کچھ غلطی ہوگئی ہو، اپنے معاملات پر نظر ثانی کرلو، تو کہتے ہیں کہ نا صاحب ہم تو نظر ثانی کر چکے ہیں ہم بالکل ٹھیک ہیں۔ اپنے سے اتنا حسنِ ظن کرنا، نیک گمان رکھنا یہ مہلکات میں سے ہے۔ اس کو عربی میں عُجب کہتے ہیں، فارسی میں خود بینی کہتے ہیں۔ یہ چیز بھی مہلکات میں سے کیوں ہے؟ اس لیے کہ ایسا شخص اپنے کو اور اپنے حالات کو اپنے معاملات کو اور اپنی چیزوں کو قابلِ اصلاح نہیں سمجھتا، اپنے معاملات اور حالات میں اس کو کوئی کمی اور خرابی محسوس نہیں ہوتی۔

مرض کا احساس نہ ہونا یہ خطرناک ہے

ظاہر ہے کہ مریض کو اپنے مرض اور بیماری کا احساس نہ ہو تو یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایک مریض تو ایسا ہے جس کو اپنے مرض کا احساس ہے اور اپنے کو بیمار سمجھ رہا ہے تو اس

سے تو توقع ہے کہ کبھی نہ کبھی اپنے علاج کی اس کو فکر ہوگی اور یہ ڈاکٹر اور حکیم سے رجوع کرے گا جس سے اس کا علاج ہو جائے گا، شفا ہو جائے گی، لیکن جو مریض کہ ایسا ہو کہ اس کو اپنے مرض کا احساس نہ ہو، اور وہ اپنے کو بیمار نہ سمجھے بلکہ اپنے کو بالکل صحیح سمجھے تو ایسی حالت میں کیا امید ہو سکتی ہے کہ اس کا علاج ہو جائے گا اور اس کو صحت ہو جائے گی؟ کیوں کہ اپنے کو تندرست سمجھ رہا ہے، اس لیے ڈاکٹر اور حکیم سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرے گا تو پھر ایسی صورت میں مرض اس کا بڑھتا ہی رہے گا اور حالت گرتی رہے گی، یہی حال بالکل اس شخص کا ہے جو کہ خود بینی میں مبتلا ہے کہ اپنے کو قابلِ اصلاح نہیں سمجھا جس کی بنا پر دینی اجتماعات، دینی مجالس میں، استفادے کی مجالس میں شرکت نہیں کر سکے گا، اہل اللہ اور بزرگانِ دین کی صحبت اور ان کی تربیت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ پھر یہ کہ جب کسی سے معاملہ کرے گا اور اس میں کچھ ناگواری ہوگی تو چوں کہ اپنے سے حسنِ ظن ہے اپنے سے نیک گمان ہے اس لیے سمجھے گا کہ فلاں ہی کی غلطی ہے، میں نے بات چیت صحیح کی، معاملہ بھی ٹھیک کیا، غلطی تو اسی کی ہے غرضیکہ ہر معاملے میں اپنے کو راہِ راست پر سمجھے گا اور دوسرے کو غلطی پر سمجھے گا۔ گویا کہ ایسا شخص اپنے کو صراطِ مستقیم کا معیار قرار دیے ہوئے ہے کہ جو اس سے الگ ہو جائے ہٹ جائے وہ غلطی پر ہے ایسے شخص کی اصلاح بڑی دشوار ہوتی ہے، اسی لیے اس کو سب سے زیادہ مہلک چیز فرمایا ہے۔ وَهِيَ اَشَدُّ هُنَّ اور یہ ان میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔

خود ستائی پیشۂ شیطان بود

اور عُجب سے ہی تکبر پیدا ہوتا ہے۔ یہ شیطان کی بیماری ہے، شیطان کو اسی بیماری نے ہلاک کیا تھا۔ شیطان نے اپنے متعلق یہ رائے قائم کی تھی۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل اور برتر ہوں، کیوں؟ اس کے لیے اس نے اپنے ذہن میں ایک دلیل بھی قائم کرلی تھی کہ آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور مجھ کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، یہ ایک مقدمہ ہوا، اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ کہ آگ اوپر کو چلتی ہے اور مٹی نیچے کو گرتی ہے، لہٰذا آگ اشرف ہے تو میں بھی افضل اور برتر ہوں، اپنے ذہن میں یہ ایک مقدمہ جمالیا اور

اپنی فہم پر اعتماد کیا، اپنی سمجھ پر اعتماد کیا اور اس پر نہیں غور کیا کہ سجدہ کرنے کا حکم کس کا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ حکم فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی شانِ جلال کیسی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم کیسا ہے؟ ان سب چیزوں کے باوجود پھر بھی اپنی رائے پر قائم رہا اور حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے عُجب کی بیماری شیطانی بیماری کہلاتی ہے۔ اپنے بارے میں حسنِ ظن رکھنا، اپنے بارے میں نیک گمان رکھنا، اپنے کو اصلاح سے مستغنی سمجھنا، اپنے حالات و معاملات کو کامل و مکمل سمجھنا یہ چیز بڑی خطرناک ہے، یہ باطنی بیماری ہے اور بڑی خطرناک بیماری ہے، یہ بیماری ایسی ہے کہ اس سے انسان کو اندر اندر گھن لگنے لگتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک صاحب نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوّراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اتنے دن نماز پڑھتے ہوئے اور نیکیاں کرتے ہوئے ہوگئے لیکن جیسی نماز ہونی چاہیے ویسی نماز اب تک نہ ہوسکی اور اس پر انہوں نے بہت ہی افسوس ظاہر کیا۔ حضرتِ والا نے اس کا جواب دیا کہ یہ حالت محمود و پسندیدہ ہے۔ ایسی ہی حالت ہونا چاہیے، جس دن یہ سمجھوگے کہ جیسی نماز ہمیں پڑھنی چاہیے تھی ہم نے ویسی نماز پڑھ لی، جیسے ہمیں دین پر چلنا چاہیے تھا ہم کماحقہٗ اس پر چلنے لگے تو وہ دن تمہارے لیے ماتم کا ہوگا، رونے کا ہوگا۔ بڑے بڑے انبیائے کرام اور اولیائے کرام تو یہ کہیں کہ اے اللہ! ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کرسکے اور ہم یہ سمجھنے لگیں کہ اللہ کا حق ادا کردیا۔ ہمارے یہاں ایک مہمان آتا ہے ہم اس کی خاطر مدارات کرتے ہیں، اس کی راحت کے انتظامات کرتے ہیں، اس کی سہولت اور آرام کا خیال رکھتے ہیں، اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کو کوئی تکلیف اور ناگواری نہ ہو ان سارے اہتمام کے باوجود جب وہ مہمان جانے لگتا ہے تو ہم چلتے وقت معذرت کرتے ہیں کہ صاحب کوئی تکلیف پہنچی ہو، مزاج کے خلاف کوئی معاملہ پیش آگیا ہو تو معاف کیجیے گا۔ ہم آپ کی شایانِ شان مہمان نوازی نہ کرسکے۔ آپ کا حق نہ ادا کرسکے۔ اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ مہمان کے بارے میں تو ہمارا یہ معاملہ ہے کہ سارے انتظام واہتمام کے باوجود اس کو رخصت کرتے وقت معذرت کرتے ہیں کہ آپ کا حق ادا نہ

کر سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو کہ ہمارا خالق ومالک ہے اور ساری دنیا کا پالنے والا ہے اس کے سلسلے میں یہ سمجھنے لگ جائیں کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ ذرا سوچو، کیا معاملہ ہے؟ اور کیا حال ہے؟ انسان جو کہ اللہ کے احسانات سے دبا ہوا ہے وہ اپنے بارے میں کیسے یہ رائے قائم کرے کہ ہم نے عبادت کا حق ادا کر دیا؟ ہمارا فلاں کام نہایت مکمل اور ٹھیک ہو گیا؟ یہ چیز عُجب کہلاتی ہے۔

خود بینی کا عجیب حکیمانہ علاج

عُجب سے انسان کی دینی ترقی بھی رک جاتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے ایک مرید خادم نے عرض کیا کہ حضرت میں ذکر کرتا ہوں، تلاوت کرتا ہوں، اور سنن کا پابند ہوں، ذکر و تلاوت کے جو برکات وانوار پہلے محسوس ہوتے تھے اب وہ کچھ دنوں سے رک گئے ہیں وہ محسوس نہیں ہوتے، تو حضرت کی خدمت میں اپنا حال پیش کیا۔ اب اس کے بعد حضرت نے غور کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس قسم کے حالات تو اس کے ہوا کرتے ہیں جو کسی گناہ کا عادی ہو، گناہ کرتا ہو، کیوں کہ گناہ سے انسان کی باطنی ترقی رک جاتی ہے اور ذکر و تلاوت سے جو انوار اور طاعت کی برکت ہوتی ہے وہ مٹ جاتی ہیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ بظاہر متقی اور بھلے معلوم ہوتے ہیں، ایک مسجد کے امام بھی ہیں، صالح شخص ہیں، اس بنا پر حضرت ایک دن رات ان کے حالات، ان کے طور و طریقے میں غور کرتے رہے کہ ان میں کیا کمی ہے، کیا بیماری ہے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں یہ تبدیلی اور گراوٹ ہو رہی ہے، یہ حضرات اپنی فراستِ ایمانی اور خداداد صلاحیت اور نورِ باطن سے مرض کو معلوم کر لیتے ہیں، چناں چہ حضرت نے محسوس کر لیا کہ ان میں کیا بیماری پیدا ہو گئی ہے، ساتھ ہی اس کا علاج بھی تجویز کر دیا، فرمایا کہ میاں تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں صاحب ہیں۔ فرمایا کہ جاؤ بازار سے ایک روپیہ کے اخروٹ خرید کر لے آؤ، وہ سستا زمانہ تھا، ایک روپیہ کے ایک ٹوکرا بھر کر اخروٹ ملتے تھے، فرمایا کہ دیکھو جب بازار سے خرید کر لانا تو کسی مزدور وغیرہ کے سر پر رکھوا کر نہ لانا بلکہ خود سر پر رکھ کر لے آنا، چناں چہ حسب الحکم حضرت کی خدمت میں یہ ٹوکرا اپنے سر پر رکھ کر آئے تو حضرت نے فرمایا کہ فلاں محلہ میں جہاں کچھ لوگ ان کے معتقد تھے اور ان سے حسنِ ظن اور نیک گمان بھی

رکھتے تھے وہاں اس کو لے جا کر فروخت کرو۔ انھوں نے حضرت سے معلوم کیا کہ اس کو کس طرح فروخت کروں؟ فرمایا کہ جب کوئی خریدنے آئے تو اس سے کہنا کہ ایک تھپڑ اور دھپ گدی پر لگاؤ اور پانچ اخروٹ لے جاؤ۔ چناں چہ وہاں اخروٹ کا ٹوکرا لے کر گئے اور جیسے ہی دوکان لگا کر بیٹھے کچھ بچے وہاں پر پہنچ گئے۔ پوچھا کہ بھائی! کیا اخروٹ بیچتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں بیچتے ہیں، بچوں نے پوچھا کہ کتنے میں بیچتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ایک دھپ لگاؤ پانچ اخروٹ لے جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ بچے دھپ بھی مار رہے ہیں اور اخروٹ بھی لے جا رہے ہیں، ہم خرما و ہم ثواب والا معاملہ شروع ہو گیا کہ ادھر دھپ لگایا ادھر پانچ اخروٹ لیے، تھوڑی ہی دیر میں وہ ٹوکرا صاف ہو گیا۔ واپس لوٹ آئے اور اطلاع دی فروخت ہو گیا، تو حضرت نے فرمایا کہ اچھی بات ہے۔ یہ معاملہ ختم ہو گیا۔ اب دوسرے دن آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ذکر و تلاوت کے جو انوار و برکات پہلے ہوتے تھے پھر محسوس ہونے لگے۔ اس پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ بات کیا تھی؟ ان میں عجب پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے کو کچھ سمجھنے لگے تھے جس کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی۔

غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

تعریف انسان کے لیے یہ بڑی مہلک چیز ہے، تعریف میں انسان بگڑ جاتا ہے۔ کسی نے ہاتھ چومنا شروع کر دیے، کسی نے تعریف کر دی بس انسان کا نفس پھولنے لگتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ ہمارے جیسا کوئی نہیں ہے، ہم تو اب بالکل حضرت جنید بغدادی کی طرح کامل و مکمل ہو گئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس پر ایک عبرت و نصیحت کا واقعہ یاد آیا کہ ایک شخص کا گھوڑا تھا بڑا ہی نکمّا اور انتہائی ناکارہ قسم کا، وہ اس سے عاجز آ گیا تھا، ایک مرتبہ اس نے دلّال سے کہا کہ بھائی اس کو کسی طرح سے فروخت کر دو، ساتھ ہی اس نے اس کی مزدوری بھی بتلا دی کہ اگر پچاس روپیہ میں فروخت کرو گے تو اس میں سے پانچ روپیہ ملیں گے۔ چناں چہ دلّال گھوڑا بازار لے گیا ساتھ ہی یہ صاحب بھی گئے۔ اب دلّال نے اس کے فروخت کرنے کی کوشش شروع کی چناں چہ ایک شخص سے اس سلسلے میں بات شروع کی اور گھوڑے کی تعریف بیان کرنے لگا گھوڑا ایسا ہے، ایسا ہے، اس میں یہ خوبی ہے یہ خوبی ہے، گھوڑے پر ظاہری اعتبار سے حسن و جمال تھا ہی،

اس کی تعریف کو سن کر وہ شخص لینے کے لیے راضی ہو گیا چناں چہ اس کی قیمت دو سو روپیہ لگادی، دلّال نے کہا کہ دام کم ہیں اور لگاؤ، ابھی یہ گفتگو چل ہی رہی تھی قریب تھا کہ معاملہ طے ہو جائے کہ جو گھوڑے کا مالک تھا وہ دلّال کو الگ کنارہ لے جا کر کہنے لگا کہ میرا گھوڑا اگر ایسا ایسا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا اور اس میں ایسی ایسی خوبیاں اور اچھائیاں ہیں تو پھر میں اس کو دو سو روپیہ میں نہیں بیچتا۔ دلّال نے کہا کہ اللہ کے بندے تجھ کو اپنے گھوڑے کا تجربہ برسہابرس کا ہے اور تو اس کو پچاس روپیہ پر بیچنے کے لیے تیار تھا آج جو میں نے اس کی تعریف کر دی اب دو سو روپیہ میں بیچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ آج کچھ یہی حال ہمارا بھی ہے کہ نفس کے عیوب ہمارے سامنے ہیں، ہماری کوتاہیاں ہمارے علم میں ہیں، لیکن اگر کوئی شخص تعریف کرتا ہے، کوئی اعزاز واکرام کا معاملہ کر دیتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں جب ہی تو لوگ ایسا معاملہ کر رہے ہیں۔ گھوڑے والے پر ہم کو ہنسی آتی ہے مگر اپنے اوپر ہنسی نہیں آتی۔ انسان کا نفس بہت خطرناک ہے اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے، اسی کو خواجہ صاحب نے فرمایا۔

نفس کا مار سخت جان دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل ادھر ہوا نہیں اس نے ادھر ڈسا نہیں
سوچ سمجھ کر چل ذرا سہل نہیں ہے راہِ عشق
دیکھ سنبھل کر رکھ قدم چوکا کہ بس گرا نہیں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مخلوق میں سوائے نفس کے کسی سے نہیں ڈرتا، صرف نفس سے ڈرتا ہوں۔ جب اتنے بڑے شیخِ وقت اور ولی کامل کا اپنے بارے میں یہ ارشاد ہے تو پھر ہمہ شما کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ نفس انسان کا بڑا دشمن ہے، نفس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ عُجب یہ سب سے بڑی بیماری ہے۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تو اس وقت جو حدیثِ پاک پڑھی تھی تو اس میں تین بیماریاں کا ذکر کیا گیا ہے، بہر حال ویسے تو اور بھی اخلاقی بیماریاں ہیں مگر اس حدیثِ پاک میں تین کا ذکر ہے: ایک بُری

خواہش پر عمل کرنا، دوسرے بخل کرنا، تیسرے اپنے سے حسنِ ظن رکھنا۔ ان تین بیماریوں کا ذکر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جس طرح جسمانی بیماریاں ہوتی ہیں ان کے لیے دوائیں ہیں اور علاج ہے جب مریض ان کو استعمال کرتا ہے اور علاج کرتا ہے تو پھر اس کو شفا ہو جاتی ہے اسی طرح روحانی بیماریوں کا بھی معاملہ ہے ان کا بھی علاج ہے کہ اگر اس کو اختیار کیا جائے تو یہ بیماریاں ختم ہو جائیں گی، ان سب کا بنیادی علاج یہ ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے، اب یہ کہ تقویٰ کیسے پیدا ہو؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟ جو اہل تقویٰ ہیں، جن کے دل میں اللہ کی محبت ہے، جن کو ہم اہل اللہ کہتے ہیں ان کی صحبت اختیار کرے، ان کی معیت اختیار کرے۔

ارشادِ ربّانی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [1]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیتِ کریمہ میں صادقین اور کاملین کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ ہو جاؤ تو تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔

صادقین کے اوصاف و خصوصیات

صادق کسے کہتے ہیں؟ اور ان کی صفات کیا ہیں؟ شریعت کی اصطلاح میں صادق وہ ہے کہ جس کے عقائد ٹھیک ہوں، عبادات اس کی ٹھیک ہوں، معاملات اس کے ٹھیک ہوں، معاشرت اس کی ٹھیک ہو، اخلاق اس کے ٹھیک ہوں گویا دین کے جو پانچ شعبے ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اور اخلاق یہ سب جس کے ٹھیک ہوں وہ شرعی اعتبار سے صادق ہے۔ چناں چہ قرآنِ پاک میں پوری صراحت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

---

[1] التوبة:۱۱۹

حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ[۱]

(کچھ سارا) کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر، اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں، اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو، اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں، اور (وہ لوگ) مستقل رہنے والے ہوں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور قتال میں، یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

اس آیت میں اُصولی طور پر تمام احکامِ شرعیہ کو ذکر کیا گیا ہے، اعتقادات کو بھی، عبادات کو بھی، معاملات اور معاشرت کو بھی، اخلاق کو بھی، اس لیے اس آیت کو احکامِ اسلامیہ کی نہایت جامع آیت کہا گیا ہے۔ بیہقیٔ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْاٰیَةُ جَامِعَةٌ لِّلْکَمَالَاتِ الْاِنْسَانِیَّةِ صَرِیْحًا اَوْ ضِمْنًا دَالَّةٌ عَلٰی صِحَّةِ الْاِعْتِقَادِ وَحُسْنِ الْمُعَاشَرَةِ وَتَهْذِیْبِ النَّفْسِ[۲]

یہ آیت جامع ہے تمام انسانی کمالات کو صراحتاً یا ضمناً، دلالت کرنے والی ہے اعتقاد کی صحت پر، معاشرت کے اچھا ہونے پر، اور تہذیبِ نفس پر۔

ان اُصولی احکام کو بڑے عجیب عنوان سے شروع کیا ہے اور وہ **بِرّ** ہے جو کہ خود انتہائی جامع لفظ ہے کہ اس میں خود ہی ہر قسم کی تمام ظاہری اور باطنی طاعات اور بھلائیاں آگئیں۔

---

[۱] البقرۃ:۱۷۷

[۲] التفسیر المظہری:۱/۱۷۷، البقرۃ (۱۷۷)، المکتبۃ الرشدیۃ

اَلْبِرُّ اِسْمٌ جَامِعٌ لِّاَنْوَاعِ الْخَیْرِ وَالطَّاعَاتِ الْمُقَرِّبَةِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى[۱۳]

لفظ بِرٌّ (نیکی) ایسا نام ہے جو بھلائی کی تمام قسموں کو جامع ہے اور ان طاعات کو جو اللہ کا مقرب بنانے والی ہیں۔

ان سب چیزوں کے بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں میں یہ اوصاف اور خصوصیات ہوں گے ان کا کیا درجہ اور مرتبہ ہو گا؟

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ[۱۴]

یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیز گار۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ کامل متقی اور صالح بننے کے لیے ضروری ہے کہ عقائد وعبادات بھی درست ہوں، معاملات ومعاشرت بھی درست ہو اور اخلاق بھی درست ہوں، ظاہر بھی شریعت کے موافق ہو، باطن بھی شریعت کے موافق ہو اور یہ بات جب ہی پیدا ہو گی کہ جب یہ چیزیں ہوں۔ چناں چہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وَلَعَمْرِیْ مَنْ عَمِلَ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ وَنَالَ اَقْصٰی مَرَاتِبِ الْاِیْقَانِ[۱۵]

قسم ہے میری عمر کی! جس نے اس آیت کے مطابق عمل کیا اس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور یقین کے انتہائی درجہ کو حاصل کر لیا۔

بغیر اس کے انسان کامل درجہ کا نہ متقی بن سکتا ہے اور نہ اعلیٰ درجہ کا صالح بن سکتا ہے۔ اب اگر کسی شخص کی یہ ساری چیزیں ٹھیک ہوں تو شرعی اعتبار سے وہ کامل متقی ہے، صادق ہے، ایسے ہی لوگوں کی معیت اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح ہم جسمانی بیماری کے علاج کے سلسلے میں ہر کس وناکس سے رجوع نہیں کرتے، اور ہر ایک سے علاج نہیں کراتے بلکہ معالج کے سلسلے میں معلومات کرتے ہیں، تحقیق کرتے ہیں کہ سند یافتہ ہے یا نہیں؟ تجربہ کار ہے یا نہیں؟

۱۳؎ مرقاۃ المفاتیح: ۲۷۱/۹، باب الرفق والحیاء وحسن الخلق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۱۴؎ البقرۃ: ۱۷۷

۱۵؎ روح المعانی: ۴۸/۲، البقرۃ (۱۷۷)، دار احیاء التراث، بیروت

جو لوگ اس کے زیر علاج ہیں ان سے پوچھتا ہے کہ ان کی دوا سے فائدہ ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا؟ ان سب باتوں کی تحقیق کرنے کے بعد جب اطمینان ہو جاتا ہے تب اس سے علاج کراتے ہیں، اسی طرح روحانی علاج میں بھی یہی معاملہ ہونا چاہیے کہ جس سے اپنی اصلاح وتربیت کرانا چاہتا ہے اس کے بارے میں بھی معلومات کرے کہ ان کے حالات کیا ہیں؟ ان کے معاملات کیسے ہیں؟ ان کا تعلق کس سے ہے؟

شیخِ کامل کی علاماتِ عشرہ

اسی لیے حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے قرآنِ پاک اور احادیث کی روشنی میں ان کی دس علامتیں بتائیں ہیں:

۱)بقدرِ ضرورت علمِ دین رکھتا ہو۔

۲)عقائد واعمال واخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

۳)دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔

۴)کسی شیخِ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

۵)اس زمانے کے منصف علماء ومشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶)بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

۷) جو لوگ اس کے مرید ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباعِ شرع و قلت حرصِ دنیا کے اچھی ہو۔

۸)وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بُری بات سن کر یا دیکھ کر ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

۹)اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

۱۰)خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزمِ عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

(قصد السبیل:۲۲۸)

تقویٰ کی دولت عارفین سے ملتی ہے

یہ علامتیں جس میں ہوں گی وہ شخص یقیناً شیخِ کامل ہوگا۔ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے، ان سے ربطِ خاص رکھنا چاہیے، ایسے ہی لوگوں کی صحبت سے تقویٰ کی دولت حاصل ہوتی ہے، ایسے ہی لوگوں سے تعلق مع اللہ اور اللہ کی محبت و معرفت حاصل ہوتی ہے، حدیثِ پاک میں فرمایا گیا کہ

لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ[۱۶]

ہر چیز کی ایک کان ہے اور تقویٰ کی کان عارفین کے قلوب ہیں۔

عارفین اور اہل اللہ کے قلوب تقویٰ کی کان ہیں۔ وہ تقویٰ سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب بُری خواہش سے، عُجب سے، بخل سے اور گندے اخلاق سے پاک ہوتے ہیں۔ ہر چیز میں اعتدال کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم عطا ہوتا ہے، ایسی مہارت عطا ہوتی ہے وہ روحانی امراض کا علاج کرتے ہیں، جیسا مریض ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کے لیے نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ تو حاصل یہ ہے کہ اہل اللہ اور کاملین کی صحبت اور معیت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔

اہل اللہ کی معیت کی حقیقت

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں کاملین اور صادقین کی معیت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ ہر وقت ساتھ رہے، بیوی بچوں اور کاروبار کو چھوڑ کر ہمہ وقت ساتھ رہے، دنیا کے مشاغل اور مصروفیات سے کنارہ کش ہوجائے؟ ظاہر ہے کہ معیت سے مراد یہ نہیں ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصلاح و تربیت کے لیے صرف جسمانی قرب کافی نہیں ہے اور اس کی ایک عمدہ مثال یاد آئی کہ ایک شخص کے پیٹ میں درد ہے اور اس کو پیچش آرہی ہے اب وہ سول سرجن کے ساتھ صبح

---

[۱۶] کنز العمال: ۹۰/۳ (۵۶۳۸)، مؤسسة الرسالة

سے لے کر شام تک رہے تو کیا اس جسمانی قرب سے اس کا درد ٹھیک ہو جائے گا، اور مرض ختم ہو جائے گا! ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کا درد اور مرض دونوں ہی باقی رہیں گے۔ اس کے برخلاف کہ اس کو ڈاکٹر سے زیادہ دیر کے لیے جسمانی قرب حاصل نہیں ہوا مگر اپنے حالات کی اطلاع کرتا ہے اور اس کے تجویز کردہ نسخہ کو استعمال کرتا ہے تو اس کو شفا ہو جائے گی۔ صرف حالات کی اطلاع کرتا ہے لیکن دوا نہیں استعمال کرتا تو بھی شفا نہیں ہو گی، دونوں کام کرنا ہوں گے، مرض کو بتلانا اور دوا کا استعمال کرنا تب جا کر شفایاب ہو گا۔ تو جیسے جسمانی امراض کے علاج میں ڈاکٹر کا جسمانی قرب مطلوب نہیں ہے بلکہ مرض کی اطلاع اور معالج کی ہدایات پر عمل ضروری ہے ایسے ہی روحانی اصلاح و تربیت کے لیے صادقین و کاملین کی معیت سے جسمانی معیت مراد نہیں ہے بلکہ اپنے حالات کی اطلاع اور اس کی ہدایات کی اتباع اور اس کے موافق عمل یہ مطلوب ہے۔

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے

اس کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب نے (جو حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے بڑے خلفاء میں ہیں) حضرت مولانا تھانوی کے ارشاد کو ایک شعر میں جمع کر دیا ہے۔

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

اللہ والوں سے استفادہ کے لیے چار شرطیں ہوئیں: پہلی چیز اعتقاد ہو، اس کے بعد وہ جو ہدایات دیں اس کو مانے یہ انقیاد ہو گیا، اس کے بعد پھر اپنے حالات کی اطلاع کرتا رہا ہے، اس پر وہ جو تجویز کریں اس پر عمل۔ جو نسخہ بتلائیں اس کے موافق معاملہ کرے یہی اتباع ہے۔ وہی جسمانی علاج و معالجہ والا معاملہ کہ حکیم صاحب کو پورے حال کی برابر اطلاع کرتا رہے، پھر یہ کہ وہ جو دوا تجویز کریں اس کو ہدایات کے موافق استعمال کرتا ہے تو اس سے شفا ہو جاتی ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں کے علاج کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اطلاع اور اتباع، عمر بھر اسی میں لگا

رہے اسی فکر اور کوشش میں لگا رہے، ہمت نہ ہارے، اور نہ گھبرائے نہ جلدی کرے بس اپنے کام میں مستعد رہے، مولانا رومی فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادمے آخر دمے فارغ مباش

اس راہ میں کانٹ چھانٹ لگاتے رہو اور آخری سانس تک فارغ نہ بیٹھو۔

اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے
نہ چت کر سکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

بینی اندر خود علومِ انبیاء

بس لگا رہے کوشش کرتا رہے، کمی کوتاہی نہ کرے تو پھر ان شاء اللہ محروم نہ رہے گا، آخرت میں تو اس کا فائدہ یقیناً ملے گا ہی لیکن دنیا میں بھی ان شاء اللہ وہ دولت ملے گی جس کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

فرماتے ہیں کہ تم اپنے اندر انبیاء کے علوم دیکھو گے، یہ سب کچھ بغیر کتاب کے اور بغیر کہلانے والے کے اور بغیر استاد کے ہو گا۔

پیش مرد کاملے پامال شو

لیکن یہ بات کب پیدا ہو گی؟ قلب پر علوم و معارف کا القا کب ہو گا؟ یہ جب اپنی اصلاح و تربیت کے لیے اور اپنے دل کو بنانے اور سنوارنے کے لیے تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لیے کسی اللہ والے سے اپنا تعلق قائم کرے، ان کی صحبت اختیار کرے، ان کی سیرت کا مطالعہ کرے، اپنی حالت کی اطلاع کرے، ان کی ہدایت پر عمل کرے، اپنے آپ کو کسی کامل کے سامنے پیش کرے، اس کے سامنے اپنے کو مٹادے، اسی کو مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

قال را بگذار مردے حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو اور صاحبِ حال بنو، اس کی تدبیر یہ ہے کہ کسی شیخِ کامل کے سامنے اپنے نفس کو مٹادو۔ فرماتے ہیں کہ اپنے کو کسی کامل کے حوالے کر دو تو پھر جو تمہارے اندر اخلاقی کوتاہیاں ہیں اور خرابیاں ہیں وہ سب ٹھیک کر دے گا۔ خود مولانا رومی اپنے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

فرماتے ہیں کہ بھائی لوگ جو مجھے مولائے روم کہتے ہیں یہ دولت مجھے یوں ہی نہیں ملی ہے بلکہ میں نے حضرت شمس تبریز کی خدمت میں اپنے کو پیش کیا، ان کی غلامی اختیار کی، ان سے اپنی اصلاح کرائی تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی، یہ مقبولیت عطا فرمائی۔ اس لیے انسان اپنے کو کسی اللہ والے کی خدمت میں پیش کرے، ان کے سامنے اپنے نفس کو مٹائے، اپنی خواہشات اور جذبات کو پامال کرے، ان سے اپنی اصلاح کرائے، اپنا علاج کرائے، تب جا کر تقویٰ کی دولت اور تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہو گی۔

تقویٰ کی دولت کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے

تقویٰ کی دولت ملنے کے بعد اس کو باقی رکھنے کی فکر و کوشش کرنا یہ بھی ضروری ہے، اس کی حفاظت کرنا یہ بھی ایک ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ کسی چیز کا نفع اسی وقت ہوتا ہے جب دو باتیں ہوں: ایک تو وہ چیز کامل اور پورے طور پر حاصل ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ باقی بھی رہے۔ جب یہ دونوں باتیں ہوں گی تو پھر اس کا نفع اور فائدہ حاصل ہوگا، مثال کے طور پر روپیہ پیسہ کا جو نفع ہے وہ جب ہی ہوگا جب کہ روپیہ پیسہ پاس میں ہو اور باقی بھی ہو جب ہی اس کا فائدہ حاصل ہوگا۔ اب مان لو کہ ایک شخص ہے وہ بینک سے ایک ہزار روپیہ لے کر آیا مگر گھر تک پہنچتے پہنچتے اس کی جیب کٹ گئی تو کہا جائے گا کہ اس کے پاس رقم تھی تو لیکن وہ باقی نہیں رہی، اس لیے رقم کا جو فائدہ ہے وہ اس کو حاصل نہیں ہوگا، اسی طرح یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر تقویٰ کی دولت کو باقی نہیں رکھا، اس کی حفاظت نہیں کی، بے اُصولی کرنا شروع کردی تو پھر وہ انسان کے لیے مفید نہیں ہوگا، نفع بخش نہیں ہوگا، اسی لیے قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [کلے]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے (ایسا) ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا۔

ایمان والوں سے خطاب ہے، ان کو حکم دیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے، کامل تقویٰ اختیار کرو، اسی پر ذمہ داری ختم نہیں ہوجاتی کہ کامل تقویٰ پیدا کرلیا، بس کام ختم ہوگیا، اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی، ایسا نہیں ہے بلکہ فرمایا:

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا۔

اس دولت کے حاصل کرنے کے بعد دوسری ذمہ داری یہ بھی ہوجاتی ہے کہ ساری زندگی اس کی حفاظت کی کوشش کرنا، اس کے باقی رکھنے کی فکر کرنا، تقوی والی زندگی اختیار کیے رہنا تاکہ

کلے اٰل عمرٰن:۱۰۲

خاتمہ ایمان پر ہو، اسلام پر ہو، متقیانہ زندگی کی برکت سے حسنِ خاتمہ کی دولت سے مشرف ہو۔ ایک کام تو یہ ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت سے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے، دوسرے یہ کہ اس کو باقی رکھنے کی فکر و کوشش کی جائے۔

اس کا شمار مقبولین میں ہو گا

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کو اپنی اصلاح کی فکر ہے اس نے بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا ہے، اصلاحی خط وکتابت کا سلسلہ بھی ہے، اصلاح کی کوشش مسلسل جاری ہے کہ اسی حالت میں اس کی رحلت ہو گئی، ایسا شخص بظاہر اگرچہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکا، اس کی تکمیل نہیں ہوئی مگر اللہ کے نزدیک اس کی یہ کوشش اور جدوجہد رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ جو لوگ مقبولین ہیں اور جن کی اصلاح ہو چکی ہے ان کے ساتھ اس کا حشر ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کو جو اجر اور انعام ملتا ہے وہ اس کی اختیاری حالت پر ملتا ہے، جو حکم اس کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں اپنی قدرت اور اختیار میں جتنا ہو اس کو انسان کرے اس پر اس کو اجر و ثواب ملے گا۔ مثال کے طور پر نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے اب ایک شخص جماعت سے نماز پڑھنے کی نیت سے گھر سے نکلا، راستے میں چوٹ لگ گئی گر گیا، جماعت میں شریک نہ ہو سکا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کے لیے جماعت کا ثواب ملے گا۔ ایک شخص ہے وہ اپنے گھر سے حج یا عمرہ کرنے کی نیت اور ارادے سے نکلا اور سفر شروع کر دیا، راستے میں اس کی رحلت ہو گئی تو بظاہر یہ شخص حج نہیں کر سکا، عمرہ نہ کر سکا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کو حج اور عمرہ کرنے والے ہی کی طرح اجر ملے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ[۱۸]

جو شخص (گھر سے) نکلے حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے کے ارادے سے پھر مر جائے، راستے میں (ان اعمال کے کیے ہوئے بغیر اس کا انتقال ہو جائے) اللہ تعالیٰ اس کو جہاد کرنے والے، حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے کا ثواب دیں گے۔

---

۱۸ شعب الایمان للبیہقی:۶/۱۵(۳۸۰۶)، مکتبۃ الرشد

اور قرآنِ پاک میں بھی اس کو واضح طور پر بیان کیا گیا کہ ہجرت کا حکم دیا گیا، سب کے لیے حکم ہوا کہ ہجرت کے لیے نکلو، اس حکم کی تعمیل کرنے والوں میں ایک صحابی حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ یہ بھی ہجرت کی نیت اور ارادے سے مکہ معظمہ سے نکلے تھے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس سے راستے ہی میں ان کی وفات ہو گئی تو بظاہر ہجرت نہیں کی، کیوں کہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکے راستے ہی میں رہ گئے لیکن فرمایا گیا:

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾[۱۹]

اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ، اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

دیکھیے ہجرت کا حکم ہے، جہاد کا حکم ہے، حج کا حکم ہے اس کے لیے ایک شخص گھر سے نکلا مگر مقصود حاصل ہونے سے پہلے پہلے اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ناکام نہیں ہے اس کا شمار کامیاب لوگوں میں ہے، اس کو بھی اجر و ثواب مل رہا ہے۔ تو بات وہی ہے کہ انسان کا کام ہے کوشش کرنا، جد و جہد کرنا، وہ اس کے بس میں ہے، اختیار میں ہے اور وہ اس نے کیا اس لیے اس پر اس کو انعام ملے گا۔ اسی طرح اخلاق و عادات کی اصلاح اور اس کی درستگی کا حکم ہے، اس میں وہ شخص مصروف ہے اس کے لیے اللہ والوں کی صحبت اور ان سے مکاتبت اور اپنے حالات کی اطلاع اور ان کی ہدایات کی اتباع میں لگا ہوا ہو، اب اگر ایسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا حشر بھی مقبولین کے ساتھ ہو گا، اس لیے کہ اس کے بس میں اور اختیار میں جو تھا اس میں کوتاہی نہیں کی، اس لیے اس کا شمار بھی کامیاب لوگوں میں ہو گا۔

اصلاح کے لیے بیعت ہونا ضروری نہیں

یہاں ایک بات توجہ دلانے کے لیے اور عرض کر دوں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ

۱۹؎ النسآء: ۱۰۰

اصلاح کے لیے بیعت ہونا ضروری ہے، بغیر بیعت ہوئے اصلاح نہیں ہوتی، تو یہ خیال غلط ہے، اصلاح بیعت پر موقوف نہیں، بیعت کی برکات اور اس کے فوائد اپنی جگہ پر ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اصلاح بغیر بیعت کے بھی ہوسکتی ہے، اصلاح ضروری اور مقدم ہے، کوئی شخص عمر بھر بیعت نہ ہو مگر وہ اپنی اصلاح کی فکر میں لگا ہوا ہے تو کہا جائے گا کہ اس کے اندر کسی ضروری بات کی کمی نہیں ہے، اور ایک شخص ایسا ہے کہ بیعت تو ہے لیکن اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کی فکر نہیں، عقائد کی اصلاح کی فکر نہیں تو اس کے متعلق کہا جائے گا کہ اس میں کمی ہے، اور یہ غلطی کرنے والا ہے۔ تو بنیادی بات یہی ہے کہ انسان اپنی اصلاح ودرستگی اور اپنے کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرے اور اس میں لگا رہے اس کے لیے مسلسل فکر کرتا رہے تو پھر ان شاء اللہ اس کو کامیابی حاصل ہوگی۔

خلاصۂ کلام

آج کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں جو حدیثِ پاک پڑھی گئی تھی اس میں جو چیزیں منجیات ہیں، نجات دینے والی ہیں ان کو بتلایا گیا، اسی طرح جو مہلکات ہیں، انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں اس کو بھی بتلایا گیا، اب یہ کہ نجات دینے والی چیزیں کیسے حاصل ہوں؟ ہلاک کرنے والی چیزوں سے کیسے بچے؟ تو اس کی بنیاد یہی ہے کہ دل میں اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف پیدا کیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ کاملین اہل اللہ سے تعلق اور ربطِ خاص رکھا جاوے اور اپنے حالات کی اطلاع اور ان کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو پھر ان شاء اللہ منزلِ مقصود کو پہنچ جائے گا۔ اب دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان باتوں کو قبول فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

زندگی میں نفع نقصان کا ہونا یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے بلکہ انسان کو اپنی کوششوں اور جدوجہد میں ان ہی دو صورتوں میں سے کسی ایک سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے کہ کبھی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تو کبھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک مؤمن کے لیے اصل کامیابی و ناکامی کا معیار کیا ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں کہ اس کے موافق فیصلہ کیا جا سکے کہ کون کامیاب ہے اور کون نہیں؟

اسی حقیقت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنی زبانِ نبوت سے بڑے لطیف انداز سے ارشاد فرمایا اور منجیات و مہلکات سے تعبیر فرمایا۔

زیرِ نظر کتاب میں شیخ المشائخ عارف باللہ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث منجیات و مہلکات کی توضیح و تشریح نہایت ہی دردِ دل سے بیان فرمائی ہے اور امتِ مسلمہ کو نجات دینے والے امور کی طرف مدعو فرمایا ہے۔ حضرتِ اقدس کا مذکورہ وعظ اس گئے گزرے دور میں امید کی ایک کرن ہے جو دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

www.khanqah.org

ناشر

کتب خانہ مظہری